حیاتِ سرمدؒ

عشق کی سوزش انگیزیاں ہر جگہ یکساں ہیں۔ ہر عاشق، گو قیس نہ ہو مگر مجنوں ضرور ہوتا ہے اور جب عشق آتا ہے تو عقل و حواس سے کہتا ہے کہ میرے لئے جگہ خالی کردو۔ سرمد پر بھی یہی حالت طاری ہوئی اور جذب وجنوں اسطرح چھایا کہ ہوش وحواس کے ساتھ تمام مال و متاع تجارت بھی غارت کردیا۔ دنیوی تعلقات میں جسم پوشی کی بیڑی باقی رہ گئی تھی، بالآخر اس بوجھ سے پاؤں ہلکا ہوگیا کہ پابندیاں تو مدعیان ہشیاری کے لئے ہیں۔"

ابوالکلام آزاد

ناشر

حمیدیہ کتب خانہ اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

عرض ناشر

سرمد کی شہادت کا سانحہ (۱۶۵۹ء) عہد عالمگیری کا ایک یادگار المیہ ہے۔ مولانا ابوالکلامؒ نے یہ خونی داستان اپنے مخصوص انداز میں خواجہ حسن نظامی صاحب کی فرمائش پر اوائل سنہ ۱۹۱۰ء میں سپرد قلم کرنا شروع کی، اور اس کی پہلی قسط خواجہ صاحب کے نام کلکتہ روانہ کردی، دوسری قسط دو تین دن کے وقفہ کے بعد خواجہ صاحب کو بھیجی، مگر وہ ضائع ہوگئی، اس کے متعلق مولانا نے واحدی صاحب کو لکھا:۔

"واحدی صاحب تسلیم۔ مضمون قصداً ناتمام بھیجا تھا کہ بیماری اور سفر کی حالت میں جتنے صفحے قلم سے نکلے انہی کو غنیمت سمجھ کر بھیج دینا مناسب نظر آیا۔ تین دن کے بعد پھر کچھ مہلت ملی تو باقی مضمون مرتب کیا اور وہ بھی خواجہ صاحب کے نام کلکتہ بھیجا۔ حیرت ہے کہ اب تک صرف پہلی قسط کیوں بھیجی گئی بہرکیف اگر ضائع ہوگیا ہے تو اب نہ اتنی مہلت ہے کہ پھر لکھوں اور نہ اس میں اتنی اہمیت ہے کہ دوبارہ وقت صرف کیا جائے، یہ بھی خواجہ صاحب کا اصرار تھا کہ سرمد کے حالات لکھئے ورنہ تاریخ کے سینکڑوں ارباب اجتہاد و تجدید شکوہ سنج بے التفاتی ہیں۔ انھیں چھوڑ کر سرمد وغیرہ پر کون وقت ضائع کرے، یاد فرمائی کا شکریہ۔"

لیکن مولانا کو داستان کی ناتمامی کا احساس رہا اور ۳ رجون سنہ ۱۹۱۰ء کو کلکتہ سے

خواجہ صاحب کو لکھا :-

"کہیے تو سرمدؒ کا بقیہ مضمون لکھ بھیجوں۔ بمبئی سے آتے ہوئے سرمدؒ یاد آ گئے، ان کی رباعیات کا دیوان ساتھ لے لیا تھا۔ کبھی نظر پڑتی ہے تو خیالات موج زن ہوتے ہیں۔ آپ چاہیں تو قلمبند کر کے بھیج دوں"

مولانا نے یہ مضمون ۹ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء تک دوبارہ مکمل کر کے بھیج دیا اور پہلی مرتبہ اس نے پوری صحت کے ساتھ اشاعت کا جامہ پہنا، اس کے بعد سے اب تک یہ ناقص حالت میں کئی بار چھپ کر خاص و عام سے خراج تحسین حاصل کرتا رہا۔ مولانا خود زندگی بھر دار و رسن کا کھیل کھیلتے رہے تھے، بیسویں صدی کے ابتدائی دو عشروں میں اندرون و بیرون ہند میں جو واقعات پیش آئے انھوں نے سرمد شہیدؒ کو مولانا کے تصور میں اکثر زندہ رکھا ہوگا۔ مولانا کے اسلوب نے اس تصور سے مل کر اس مضمون میں جو کیفیت پیدا کر دی ہے اس کا اندازہ ارباب دل ہی لگا سکتے ہیں، خواجہ حسن نظامی نے غلط نہیں لکھا کہ یہ مقالہ "مقامات درویشی پر ایک مستانہ البیلا خطبہ ہے"

اب ہم یہ مکمل مقالہ ارباب نظر کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں ؎

عمریست کہ افسانۂ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

:۔:۔:۔:

سرمد شہیدؒ

آنانکہ غم تو برگزیدند ہمہ
در کوئے شہادت آرمیدند ہمہ
در معرکۂ دو کون فتح از عشق است
با آنکہ سپاہ او شہید ند ہمہ

عہد عالمگیری میں اور اس کے بعد جسقدر فارسی تذکرے لکھے گئے ہیں، ان میں بالعموم سرمد کے عنوان سے چند سطریں ملتی ہیں لیکن اول تو قدیم تذکروں کے حالات اس قدر مختصر اور ناکافی ہوتے ہیں کہ اگر زندگی میں ان کے نام خطوط لکھے جاتے تو لفافہ کے لئے پورہ پتہ بھی میسر نہ آتا۔ اور پھر جو کچھ ہوں، دقت یہ ہے کہ اس وقت سامنے نہیں، میں نے عہد عالمگیری کی تاریخوں کو دیکھا کہ شاید حوادث و واقعات کے ضمن میں کچھ حالات مل جائیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پولیٹکل عاقبت اندیشیوں نے قلم کو روک لیا تھا۔ مرزا محمد کاظم نے عالمگیر کے حکم سے تمام سوانح و حالات بقید سنین قلم بند کرنے شروع کئے لیکن صرف دس سال ہی کے حالات لکھے تھے کہ حکماً یہ سلسلہ بند کردیا گیا۔ اس کے بعد شاہ عالم کے عہد میں نواب عنایت اللہ کو خیالِ تکمیل ہوا۔ اس کے اشارے سے مستعد خاں نے بقیہ چالیس سال کے سوانح قلمبند کیے اور ابتدائی دس سالہ مجموعہ کا انتخاب شامل کرکے مآثر عالمگیری نام رکھا میں نے ۱۰۷۰ھ کے حالات کی ورق گردانی کی کہ یہی سرمد کی شہادت کا سن ہے، مگر حالات کا ملنا تو ایک طرف، معلوم ہوتا ہے کہ پوری مستعدی کے ساتھ تاریخ کے

صفحوں کو بچایا گیا ہے کہ اس شہید عشق کے جامۂ خونچکاں کے قطرہ افشانی سے حاشیہ پر کہیں دھبے نہ پڑ جائیں، لطف یہ کہ اسی سال شاہ عباس ثانی اور حسین پاشا رومی (غالباً والئی حجاز) کے سفرا آئے تھے، انکے حالات کی سطریں صفحے کی انتہا تک پہنچکر بھی آگے بڑھنے سے نہیں رکتیں، خیر یہ حالات بھی کچھ نہ کچھ اہمیت رکھتے تھے، طرہ بریں یہ کہ اس سال نواحِ دہلی میں کہیں چند لڑکے شاہ وزیر کی نقل کھیل رہے تھے، ان میں ایک کوتوال اور ایک مجرم بھی تھا۔ مصنوعی کوتوال نے غیظ و غصہ میں آکر مصنوعی مجرم کو اصلی سزا دیدی۔ نصف صفحہ کے قریب اس حادثۂ عظیم اور داستان اہم کی نذر کیا گیا۔ مؤرخ کی نظر کا جب یہ حال ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے قصوں کے ہجوم میں سرمد بیچارے کی نعش کیونکر نظر آتی۔

خفافی خاں کی منتخب اللباب، عہدِ مغلیہ کی مشہور ترین تاریخ ہے، جس نے اورنگ زیب کے حالات اس تفصیل سے لکھے ہیں گویا صرف یہی زمانہ موضوع کتاب ہے۔ قیاس کہتا تھا کہ اسنے یہ واقعہ نظر انداز نہ کر دیا ہوگا۔ کیونکہ عالمگیری عہد کا قلم اس کے ہاتھ میں نہ تھا، جسکو ہر قدم پر روک لیے جانے کا اندیشہ ہو، مگر جب اسے کھولا تو ہزار صفحے کے سوانح میں ایک لفظ بھی سرمد کی نسبت نہ تھا۔ سچ یہ ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا راز مؤرخ کا قلم ہے۔ آج کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی باگ میں کتنی گرہیں ڈال دی گئی تھیں۔

سرمد کی شہادت کا وہی سن ہے جس سن میں کوچ بہار اور آسام پر چڑھائی کی گئی، اس لیے دونوں تاریخوں نے اس سال کے حالات کا نصف حصہ اسی فتحیابی کی داستان سرائی میں صرف کر دیا، فتح آسام کی اہمیت کے بیان میں شک نہیں، مگر مستعد خاں کو کیا معلوم تھا کہ تماشا گاہِ عالم میں ایسی آنکھیں بھی ہیں جو اس شادمانی فتح پر غلط انداز نظر نہ ڈالیں گی مگر اس مظلوم اثر شکست پر ہمیشہ خونچکاں رہیں گی، جو

ایک مجنوں لیلائے حقیقت کو دار پر کھینچ کر معرکہ حق پرستی میں عالمگیر کو نصیب ہوئی۔
قصہ مختصر یا ایں ہمہ دو کتابیں ایسی پیش نظر ہیں جن سے زیادہ معتبر راوی سرمد کے لئے نہیں ہو سکتے، پہلا شخص شیر خاں لودھی (مصنف مرأۃ الخیال) ہے جو بغیر کسی واسطے کے عالمگیری عہد کے واقعات لکھتا ہے، کیونکہ اسی عہد کا تذکرہ نویس ہے، اس کا تذکرہ مرأۃ الخیال میرے پاس ہے۔ دوسرا شخص علی قلی خاں داغستانی عہد محمد شاہ کے امراء میں سے ہے۔ جس نے نہایت تفحص و احتیاط سے شعرائے فارسی کا تذکرہ ریاض الشعراء مرتب کیا، اس کا قلمی نسخہ، مصنف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں موجود ہے، اور زیادہ تر حالات میں نے اسی سے لئے ہیں۔ یہ گویا عہد محمد شاہ میں لکھا گیا ہے، لیکن سرمد کے حالات کے لئے ایک واسطے سے زیادہ دور نہیں، اس کے علاوہ تمام تذکروں نے جو کچھ لکھا ہے ذہن میں کچھ نہ کچھ تو محفوظ ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی میں ایک بیاض قلمی عہد عالم گیر ثانی کے کسی خوش مذاق شاعر سراج الدین سراج کی جمع کی ہوئی ہے اس میں کہیں کہیں حالات بھی دئے ہیں۔ غرض کہ گلدستہ تو بنا مگر چند پتوں اور پنکھڑیوں کو دامن میں لے لیا ہے کہ مشہد سرمد میں جاؤں تو خالی ہاتھ کیا جاؤں۔

سرمد کی قومیت اور مذہب

سرمد کی اصل قومیت اور مذہب کو کوئی صاف نہیں بتلاتا، مصنف مرأۃ الخیال کا بیان ہے کہ "اصلش از فرنگستان دارمنی بود" مگر باقی تذکرے یہودی الاصل بتاتے ہیں۔ والہ داغستانی اس پر اتنا اور بڑھاتا ہے کہ وطن کاشان تھا مگر یہ اختلاف باہم

متناقض نہیں، کیونکہ ایران میں قدیم سے ارمنیوں کی وسیع آبادی موجود ہے جو بالعموم مسیحی اور بعض بعض یہودی ہیں، اب تو انھوں نے یکسر یورپین طرز معاشرت اختیار کرلی ہے۔ اور تحصیل علوم جدیدہ میں تمام ایرانی جماعتوں سے پیشرو ہیں۔ ایک صدی پیشتر تک ان میں مذہب کے سوا کوئی بات مسلمانوں سے مختلف نہ تھی، ان میں سے بعض اسلامی علوم و آداب کو اس حد تک حاصل کرتے تھے کہ مسلمانوں کی تعلیم یافتہ صحبتوں میں شریک ہوسکتے تھے، چنانچہ تذکروں میں متعدد شعراء کے حالات ملتے ہیں جو ارمنی اور مسیحی تھے مگر ان کے اشعار ایران کے مسلمان خوش گو شعراء سے کسی طرح کم نہیں، سرمد کا خاندان بھی ارمنی اور یہودی ہوگا۔ کاشان میں متوطن ہونگے، ارمنی ہونے کی وجہ سے لوگوں کو خیال پیدا ہوا ہوگا کہ فرنگی ہے اور باہر کے غیر معروف آدمی کی نسبت ایسا دھوکہ ہونا کچھ عجب نہیں۔

آفتاب جب چمکتا ہے تو باغ و چمن کو نہیں ڈھونڈتا کہ اپنی کرنوں کا انھیں نشیمن بنائیں، اس کا فیضان ضوبخش مبداء فیاض کی طرح فیض عام ہے۔ محلسرائے شاہی کے کنگروں کے طلائی کلس اگر اس کی ضو افشانی سے چمک اٹھتے ہیں تو کیا جنگل کے خشک درختوں کی شاخوں پر سنہری رنگ نہیں چڑھ جاتا؟ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ میرا مقصد نظام شمسی کے مرکز سے نہیں بلکہ آفتاب اسلام سے ہے۔ اس اوقیانوس تجلی کی لہریں اٹھیں تو انھوں نے پہلے تو جسم و خون اور قوم و مرز بوم کے قائم کئے ہوئے امتیازات کو خس و خاشاک کی طرح بہادیا۔ پھر سیرابی کا وقت آیا تو احرار قریش اور ارقائے حبش، بطحا و یثرب اور عجم و فرنگ، تاجدار غسان اور

بادیہ نشین عرب، ادنیٰ و اعلیٰ دور و نزدیک سب کو یکساں طور پر شریک فیض کیا، صرف صلاحیت اور اثر پذیری معیار فیض رسانی تھی کہ ہر قوم اور ہر زمین بقدر صلاحیت حصّہ یاب ہوئی، بو جہل قریشی تھا اور خزانے کے پاس مگر مدت العمر محروم رہا۔ بلال حبشیؓ اور صہیبؓ رومی تھے، پھر کس قدر دور مگر ان کے دامن دیکھئے تو مالا مال تھے۔ ابر کرم کہاں نہیں برستا؟ مگر ہر زمین لالہ زار نہیں بن جاتی۔

توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے!
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

یہ اسی فیاضانہ فیض بخشی کا نتیجہ تھا کہ عرب گو مبدأ و منشاء اسلام تھا مگر اس کی کوئی خصوصیت نہیں رہی۔ نو مسلم قومیں جو دور دراز ملکوں سے آتی تھیں۔ ہر علم و فن میں اس طرح دست بر علم ہوئیں کہ خود عرب کو ان کے لئے اپنی صفیں توڑ دینی پڑیں۔ یہاں تک کہ آج تراجم و رجال کی کتابیں اٹھا کر دیکھتے ہیں تو کوئی علم و فن ایسا نظر نہیں آتا جس پر نو مسلم قوموں کا تسلط نہ ہو، حتیٰ کہ فقر و تصوف جس کی مذہب کے نالے میں پرورش ہوتی ہے اس کی تاریخ بھی نو مسلم اشخاص کی خود فروشیوں کی منت پذیری سے آزاد نہیں، بات یہ ہے کہ خدا کی محبت کی طرح اسلام کی بے دریغ فیض بخشی بھی اس طرح عام تھی کہ نسب و قومیت کے امتیازات کو اس میں دخل نہ تھا، محرم کی سبیلیں جب لگائی جاتی ہیں، تو پیاسوں کی تلاش ہوتی ہے، زریں کلاہوں اور ریشمی قباؤں پر نظر نہیں پڑتی۔ سرچشمۂ فیضان الٰہی بھی تشنگان محبت کو ڈھونڈتا ہے نسب و قومیت اور رنگ و خاندان سے اسے کیا سروکار؟

اس عام فیض بخشی کی ایک نمایاں نظیر سرمد کی سوانح عمری بھی ہے، وہ ایران کے کسی ارمنی خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اور مذہباً یہودی یا مسیحی تھا، آغاز عمر ہی میں، فیضان الٰہی کی نظر انتخاب پڑی اور جذب ہدایت کی کشش نے مشرف بہ اسلام کیا۔

خاندانی نام خاندانی نام کا پتہ نہیں چلتا اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبول اسلام کے بعد کیا نام رکھا گیا۔ عام طور پر صرف سرمد ہی کے لقب سے تذکروں میں ذکر کیا گیا ہے اور سچ یہ ہے کہ سرمد کا بے نام ہو جانا جائے تعجب نہیں، کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنکی شرع میں بے نام و نشان رہنا تو رکن اولیں بلکہ شرط ایمان ہے۔

باوجودت زمن آواز نیامد کہ منم

لیکن بعض تذکروں میں سعیدا ے سرمد کے عنوان سے اس کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ اسلامی نام کا ایک جزو شاید لفظ سعید ہوگا، جو بقاعدہ تخفیف تخلص کے ساتھ مشہور ہو گیا۔

تحصیل علمی تحصیل علمی کا حال معلوم نہیں، لیکن تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ علم و فضل اور عربیت میں درجہ کمال رکھتا تھا، اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ تحصیل علمی اس زمانے کے نصاب کے مطابق کامل ہوگی۔

ابتدائی پیشہ ابتدائی پیشہ تجارت تھا۔ ایران سے تجارتی اموال لے کر ہندوستان کی طرف بڑھا، اس زمانے میں علم و فن کی طرح جنس و متاع کی بھی نمائش گاہ ہندوستان تھا، مگر یہ جوان

تاجر جو بے خبر ہندوستان کی طرف قدم راں تھا، نہیں جانتا تھا کہ وہاں پہنچ کر کس تجارت میں اسے اپنا تمام سرمایہ لگا دینا پڑیگا، وہ شاید ایرانی مصنوعات فروخت کر کے ہندوستان کی قیمتی اجناس اور محسود عالم کانوں کے لعل و الماس خرید ینا چاہتا تھا، لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ قضا و قدر اس کے خلاف فیصلہ کر چکی ہے، تجارت تو اسے بہر صورت آخر حیات تک کرنی پڑے گی مگر زخارف مادے کی تجارت گاہوں میں نہیں، بازار حسن و عشق میں۔ جہاں چاندی سونے کی جگہ دل صد پارہ اور جگر صد زخم خوردہ کا سکہ رائج ہے، اور جہاں کی تجارت یہ ہے کہ صبر و شکیب، ہوش و خرد، دل و جگر دے کر ایک غلط انداز نظر، ایک چین جبین، ایک تغافل پیشہ نگاہ خرید لیجئے کہ اس سہل قیمت پر یہ متاعِ مشکل مفت ہے۔

صد ملکِ دل بہ نیم نگہ میتواں خرید
خوباں دریں معاملہ تقصیر می کنند

اور صرف اتنا ہی نہیں، کیونکہ یہ تو اس بازار کی نمائشی اور سامنے کی چہل پہل ہے، اگر ہمت قدم آگے بڑھائے تو پھر وہ آخری سودا بھی کرنا پڑیگا جس کی قیمت نقد جان ہے اور جس میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ حیات کا لبریز پیمانہ خون شہادت کے ایک لبریز جام سے بدل لیا جاتا ہے اور "ثمنِ بخس" کے معاوضہ میں اگر یوسف ملے تو کون خیرہ نظر ہے جو اس متاع کا مشتری نہ ہو۔

دو عالم نقد جاں بر دست دارند
بیا زارے، کہ سودائے تو باشد

اس زمانے میں ایرانی سیاح عموماً سندھ ہو کر ہندوستان آتے تھے سندھ کے شہروں میں ٹھٹھ ایک مشہور شہر تھا جس کو اب نئے جغرافیہ میں گمنامی کا خانہ نصیب ہوا ہے! یہی ٹھٹھ وہ سینائے مقدس تھا جو سرمد کے لئے تجلی گاہ ایمن بنا، اور لیلائے حسن نے اوّل اوّل اپنے چہرے سے نقاب الٹی، کہتے ہیں کہ ایک ہندو لڑکا تھا، جس کی چشم کافر نے یہ افسوں طرازی کی، اور ایسا ہونا کچھ مستبعد نہیں کیونکہ عشق خیز دلوں کو دو نیم کرنے میں بخیہ گر کی سوئی اور جلاد کی تیغ دونوں برابر ہیں۔ یہاں تجارت میں خریدار عموماً بے پرواہ و بے نیاز۔ مگر صاحب جنس غرضمند ہوتا ہے، پھر جو لوگ اپنے دلوں کو ہاتھوں پر بطرز نذر رکھے ہوئے خریدار ڈھونڈتے ہوں، انہیں تو حق ہی نہیں کہ خریدار میں خاص اوصاف کے طالب ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سادہ لوح ایرانی تاجر بھی متاعِ دل کی کس مپرسی سے تنگ آگیا تھا اور خود خریدار کو بے تابانہ ڈھونڈ رہا تھا۔ جب خریدار مل گیا تو نظر اٹھا کے دیکھا تک نہیں کہ کون ہے اور کیا لے کے آیا ہے؟ اسی کو غنیمت سمجھا کہ دل جیسی متاع ارزاں کی ایک چشم سحر کار طالب ہے اور بلا تامل یہ سودا منظور کر لیا۔

دلال عشق بود و خریدار جانستاں

خود فروختیم چہ سودا بما رسید!

سرمد کو آئندہ جس صحرا میں بادیہ پیمائی کرنی تھی، یہ اس کی طرف پہلا قدم تھا اور کچھ سرمد ہی کی خصوصیت نہیں، عشق خواہ کسی عنوان ہو منزل حقیقت کا ہمیشہ سے پہلا قدم ہے بلکہ یہ کہنا بھی تنزّل ہے، منزل حقیقت کا کیا ذکر، عشق تو وہ دروازہ ہے جس سے گزرے بغیر انسان انسان نہیں

ہو سکتا، جس کے دل و جگر میں ٹیس اور آنکھوں میں تری نہیں، اس کو معنی انسانیت سے کیا واسطہ؟ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ زاہد معتکف بھی باایں ہمہ تعبس و تقشف، جب اپنے زاویہ عبادت میں سر بہ زانو ہوتا ہے تو حور و غلامان کی مسکراہٹ سے لطف لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یعنی جو خشک دماغ مسجد کے گوشوں اور حجروں میں دوست کو ڈھونڈتے ہیں انھیں بھی اس تصور کے بغیر چارہ نہیں ؎

حور و جنت جلوہ بر زاہد دہد در راہ دوست!
اندک اندک عشق در کار آورد بیگانہ را!

یہی وجہ ہے کہ جو سوداز دگان حقیقت شاہد ازلی کے جاں دادہ ہیں، انھیں بھی مجازی کوچوں میں در و دیوار سے سر ٹکراتے دیکھا گیا ہے۔ کیونکہ دل جب تک لذت آشنائے درد نہ ہو برف کا ایک ٹکڑا ہے جس کو پانی بنتے دیکھا ہے مگر برف آگ میں جلتے ہوئے کبھی نظر نہ آئی، حالانکہ انسانیت کا مفہوم یکسر سوز و گداز ہے۔ اور عشق کا کلیسا آتش کدہ ہے۔ یہاں وہی آتش طلب قدم رکھ سکتے ہیں جو اپنے دلوں کو اس آتش کدہ پر نذر چڑھاویں اور پھر دامن سے ہوا بھی دیتے جائیں کہ کہیں شعلوں کی بھڑک کم نہ ہو جائے ؎

افسردہ را نصیب نباشد دل کباب
آں یابد ایں نوالہ کہ مہماں آتش است

عشق الٰہی کی پہلی شرط یہ ہے کہ ماسوا کی طرف سے آنکھیں بند کر لی جائیں

مگر انسان آب و گل کے تعلقات میں اس طرح پابہ گل ہے کہ جب تک دلِ پُر درد کو کوئی محکم چوٹ نہ لگے ادھر سے ٹوٹ نہیں سکتا، مکھی جب شہد پر بیٹھ جاتی ہے تو جب تک اڑا دیئے نہیں، نہیں اڑتی۔ انسان کا دل بھی جب تک چوٹ نہ کھائے دنیا کی لذتوں کو نہیں چھوڑتا۔ یہ چوٹ صرف عشق ہی کے ہاتھوں لگ سکتی ہے۔ عشق کا فرشتہ اپنے بازوؤں میں وہ مافوق الفطرت طاقت رکھتا ہے کہ اس کی تیغ کا پہلا ہی وار خون کے تاروں سے بندھے ہوئے رشتوں اور دنیا کی دل فریبیوں کی جکڑی ہوئی زنجیروں کو دو ٹکڑے کر دیتا ہے اور دل جب ہر قسم کی بندشوں سے آزاد ہو کر اپنے آپ کو دیکھتا ہے تو حلقۂ ازل کے سوا اور کوئی بیڑی پاؤں میں نہیں ہوتی۔ اسی درد کے لئے عارف عطار بے قرارانہ فغاں ساز ہے کہ ؎

کفر کافر را و دیں دیندار را
ذرہ دردے دل عطار را

غور کرو جس مردہ دل کو کبھی یہ وقت خوش نصیب نہ ہوا کہ کسی بند نقاب کے ٹوٹنے کے تصور میں اپنے خرمن ہوش و حواس پر بجلیاں گرائے اس کو شاہدِ حقیقت کا نظارہ حواس ظاہری سے کب کھو سکتا ہے؟ جس افسردہ تنفس نے اپنی عزیز اور شیریں باتیں کسی نرگس خواب آلود کی یاد میں نہ کاٹی ہوں۔ اس کو معشوق حقیقی کی یاد میں بے چین راتیں کب نصیب ہوں گی؟ جس خیرہ دماغ نے اپنے سرمایۂ عجز و نیاز کو کسی مغرور ناز کی کج ادائیوں

اور بے نیازیوں پر نثار نہ کر دیا ہو وہ خود پسندی اور خود آرائی کے بت کو کیونکر توڑ سکتا ہے؟ جس بے حس کو کسی پیکر حسن کی صدائے شیریں نے مبہوت اور لایعقل نہ کر دیا ہو، اس کو سازِ ازلی کی نغمہ سرائی پر کیوں کر وجد آئے، غرض کہ جس بد نصیب کو کسی مست حُسن کی نگاہ بے محابا بے خود نہ کر سکی اسے جلوہ طور پر کیوں غش آنے لگا؟ جو فتیلہ پہلے جل چکا ہو وہ فوراً آگ پکڑ لیتا ہے۔ لیکن نئے فتیلہ کو دیر تک آگ دکھلانی پڑتی ہے ؎

محبت با دلِ غمدیدہ الفت بیشتر گیرد
چراغے راکہ دودے ہست در سر زود تر گیرد

نظریں اگر جویائے حسن ہیں تو روئے پنہاں کے نظارے کی کیوں منتظر ہیں۔ انھیں تو پردۂ نقاب کی زیبائی ہی پر لوٹ جانا چاہئے کنعان کی گم کردہ بسر آنکھوں نے جلوۂ یوسفی کا انتظار نہیں کیا۔ پیراہن یوسفی کی بو پاتے ہی کھل گئیں۔ کہ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنَ یہی وجہ ہے کہ میخانۂ حقیقت میں جب مجلس گرم ہوتی ہے تو پہلے جام و مینا کا دور چلتا ہے اور جب اس کے تلخ گھونٹ گوارا ہو جاتے ہیں تو پھر ساقی اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیتا ہے کہ اب جام و سبو کی ضرورت نہیں، اس کی نگاہ نشہ خیز سے خود رفتگی و خود گزشتگی حاصل کیجئے ؎

مے حاجت نیست مستیم را
در چشم تو تا خمار باشد

سرمد کے آگے بھی یہ جام رکھا گیا اور جام کی خوبی بہت کچھ جام پیش کرنے والے ہاتھ کی رعنائی پر منحصر ہے۔ اس لئے ہم اس ہندو لڑکے کو بھولنا نہیں چاہتے جس کی نگاہ لیلیٰ روش نے سرمد کو مجنوں بنایا۔ مگر افسوس کہ ہر عاشق قیس و فرہاد کی قسمت کہاں سے لائے؟ سرمد کے لیلے کا زیادہ سے زیادہ حال جو معلوم ہوتا ہے یہی ہے کہ ایک ہندو لڑکا تھا اور غور کیجئے تو یہ بھی بہت ہے۔ کیونکہ بازار عشق میں جب سودا چکایا جاتا ہے تو یہ کب دیکھا جاتا ہے کہ خریدار کون ہے اور کیا قیمت مل رہی ہے؟ ؎

مرا فروخت محبت ولے نمی دانم!
کہ مشتری چہ کس ست و بہائے ما چند است

ارباب تذکرہ اس میں بھی ہم آہنگ نہیں کہ یہ واقعہ کہاں ہوا۔ والہ داغستانی لکھتا ہے کہ بندر سورت میں۔ اور آزاد بلگرامی نے اپنے کسی تذکرے میں عظیم آباد پٹنہ لکھا ہے لیکن ان سب میں مراۃ الخیال قدیم العہد ہے اور اس کا بیان ہے کہ "در اثنائے تجارت بشہر تتہ افتاد۔ بر ہندو پسرے عاشق گشت" اس لئے ہم نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ بہر کیف بجلی کہیں گری ہو۔ دیکھنا یہ ہے کہ دہقان کے خرمن سوختہ کا کیا حال ہوا۔؟

عشق کی شورش انگیزیاں ہر جگہ یکساں ہیں۔ ہر عاشق گو قیس نہ ہو مگر مجنوں ضرور ہوتا ہے۔ اور جب عشق آتا ہے تو عقل و حواس سے کہتا ہے کہ میرے لئے جگہ خالی کر دو۔ سرمد پر بھی یہی حالت طاری ہوئی اور جذب و جنون اس طرح چھایا

کہ ہوش و حواس کے ساتھ تمام مال و متاع تجارت بھی غارت کر دیا۔ دنیوی تعلقات میں سے جسم پوشی کی بیڑی باقی رہ گئی تھی، بالآخر اس بوجھ سے بھی پاؤں ہلکا ہو گیا کہ پابندیاں تو مدعیان ہوشیاری کے لئے ہیں۔ مجنوں لا یعقل مرفوع القلم ہوتے ہیں۔ ؎

خطا مردم دیوانہ کس نمی گیرد
جنوں ندار ی و آشفتہ خطا اینجاست

بیاباں نوردی بیاباں نوردی عالم عشق کی سیر و سیاحت ہے کہ اسی سے انسان کی عقل، تجربہ کار و پختہ ہوتی ہے۔ "مجنون" جو وصف عشاق میں نمایاں نظر آتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ صحرا گردی میں کوئی حریف نہیں۔ سرمد نے بھی مدتوں صحرا کی خاک چھانی، سندھ کے ریگ زاروں سے تلوے گرم کئے۔ ہندوستان کے گرم و سرد موسموں کو یکساں عریانی میں کاٹ دیا۔ اور بالآخر جب یہ عقدہ کھلا کہ ؎

بیہودہ چرا در طلبش میگردی!
بنشیں! اگر او خداست خود می آید! سرمد

تو پھر ایک مستقر کی تلاش ہوئی، جہاں بیٹھ کر عشق کے آخری امتحان کا انتظار کیا جائے لیکن جب نتیجہ یہی تھا تو پھر یہ بیاباں نوردی کیوں تھی۔ مگر نہیں خود کہہ چکا ہوں کہ یہ بھی عشق کے قانون کمال میں داخل ہے اور عشق کے قانون میں استثناء نہیں ؎

یکے از دستگیر یہائے عشق است
عزیزاں را بخواری بر کشیدن

یہ وہ زمانہ تھا کہ عنقریب بساط ہند پر عالمگیرؒ ایک نئی چال چلنے والا تھا اور شاہجہانی حکومت کا عہد آخری اور شاہزادہ دارا شکوہ ولیعہد سلطنت تھا، سلسلۂ مغلیہ میں دارا شکوہ ایک عجیب طبیعت دماغ کا شخص گزرا ہے، اور ہمیشہ افسوس کرنا چاہیئے کہ تاریخ ہند کے قلم پر اس کے دشمن کا قبضہ رہا، اس لئے اصلی تصویر پولیٹکل چالوں کے گرد وغبار میں چھپ گئی، وہ ابتداء سے درویش دوست اور صوفیانہ دل ودماغ کا شخص تھا اور ہمیشہ فقراء اور ارباب تصوف کی صحبت میں رہتا تھا، اس کی بعض تحریرات جو دستبرد حوادث سے بچ گئیں ہیں بتلاتی ہیں کہ ان کا لکھنے والا بھی ذوق وکیفیت سے خالی نہیں، اس کے صاحب ذوق ہونے کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ تلاش مقصد میں دیر وحرم کی تمیز اٹھادی تھی اور جس نیاز کیشی کے ساتھ مسلمان فقراء کے آگے سر جھکاتا تھا ویسی ہی عقیدت ہندو درویشوں سے بھی رکھتا تھا اس اصول سے کون صاحب حال اختلاف کر سکتا ہے۔ کیوں کہ اگر اس عالم میں بھی کفر واسلام کی تمیز ہو تو پھر اعمیٰ اور بصیر میں کیا فرق باقی رہ گیا؟ پروانہ کو تو شمع ڈھونڈھنی چاہیئے۔ اگر صرف شمع حرم ہی کا شیدا ہے تو سوز طلبی میں کامل نہیں ہے

عاشق ہم از اسلام خراب است وہم از کفر
پروانہ چراغ حرم ودیر ندانند

سرمد جوش جنوں میں پھرتا ہوا جب شاہ جہان آباد دھلی پہنچا تو قضا نے اشارہ کیا کہ قدم روک لئے جائیں کیوں کہ جس جام کی تلاش ہے وہ اسی مے خانہ میں ملے گا۔ مصنف مراۃ الخیال جو عالم گیر پرستی کے معبد میں صفِ اولیں کا طالب ہے لکھتا ہے:۔

"چوں خاطر سلطان داراشکوہ بجانب مجانین میل داشت صحبت بوے در گرفت"

بیچارہ علی شیرؔ بھی ہوشیاری و دیوانگی ہی کی بحث میں سرمار رہا ہے، اسے کیا خبر کہ دنیا میں ایسے ترازو بھی ہیں جن کے ایک پلے میں اگر دیوانگی رکھ دی جائے تو دوسرا پلہ تمام عالم کی ہوشیاری رکھ دینے سے بھی نہیں جھک سکتا۔ اور پھر ایسے خریدار بھی ہیں جن کو اگر ہوش و حواس کا تمام سرمایہ دے دینے سے ایک ذرہ جنوں مل سکتا ہو تو بازار یوسف کی طرح ہر طرف سے ہجوم کریں بہرکیف خواہ کچھ ہو۔ عالمگیرؒ کی ہوشیاری سے تو ہمیں داراشکوہ کی دیوانگی اور جنون دوستی پسند آتی ہے کہ وہاں تو تیغ ہوشیاری کشتگان حسرت کے خون سے رنگین ہے اور یہاں خود اپنے جسم کے رگہائے گردن سے خون کی نالیاں بہہ رہی ہیں۔ شاید داراشکوہ بھی عالمگیر جیسے ہوشیاروں کی ہوشیاری سے تنگ آگیا تھا۔ اسی لئے اس نے سرمد جیسے مجانین کی صحبت کو ہوش والوں کی مجلس پر ترجیح دی۔

لہ مصنف مراۃ الخیال

غرض کہ سرمد دارا شکوہ کی صحبت میں رہنے لگا اور اسے بھی سرمد سے کمال عقیدت تھی۔ اس زمانے میں عشق کی شورش انگیزیاں کبھی کبھی اسے باہر نکلنے پر مجبور کرتیں لیکن چونکہ معلوم ہو چکا تھا کہ آخری امتحان گاہ یہی ہے، اس لیے شاہ جہاں آباد سے نکل نہیں سکتا تھا یہاں تک، کہ شاہ جہاں کی علالت اور دارا شکوہ کی نیابت نے عالمگیری ارادوں کے ظہور کا سامان کر دیا۔ اور ایک عرصہ کی شورش و خونریزی کے بعد سنہ ۱۰۶۹ھ میں عالمگیر اورنگ زیب تخت نشین حکومت ہوا۔ یہ زمانہ دارا شکوہ کے ساتھیوں اور ہم نشینوں کے لئے خود دارا شکوہ سے کم مصیبت انگیز نہ تھا۔ بہت سے لوگ تو دارا شکوہ کے ساتھ نکل گئے اور جو رہ گئے انھوں نے اپنے آپ کو کشتیٔ طوفاں میں پایا۔ لیکن اس رہین بے خبری کو اپنے استغراق میں اس کی فرصت کہاں ملتی تھی کہ دنیا کو نظر اٹھا کے دیکھے اور اگر دیکھتا بھی تو وہاں سے کیوں کر نکلتا۔ کیونکہ بایں ہمہ بے خبری اس سے بے خبر نہ تھا کہ اب تک جو کچھ ہوا ہے عشق کی ابتدائی منزلیں تھیں، اب آخری منزل طے کرنی باقی ہے اور وہ یہیں پیش آنے والی ہے ۔

بیک دو زخم کہ خوردن نہ عشق امن مباش
کہ در کمیں گہہ ابرو کمان کش ست ہنوز

سرمد کی شہادت سرمد کی شہادت کے اسباب تذکرہ نویسوں نے مختلف بتلائے ہیں تذکرۃ الخیال میں ہے کہ سرمد کی اس رباعی پر جبہ پوشان شرع کے کان کھڑے ہوئے اور انہوں نے

اسے کفر قرار دیا کہ معراجِ جسمانی سے انکار لازم آتا ہے۔

ہر کس کہ سرِ حقیقتش باور شد | او پہن تر از سپہر پہناور شد
ملا گوید کہ بر فلک شد احمدؐ | سرمد گوید فلک بہ احمدؐ در شد

مگر اس ترک سادہ کو فقیہانہ جنگ و جدل سے کیا سروکار تھا۔ اس نے نظر اٹھا کے دیکھا تک نہیں کہ یہ کور بصر کیا شور و غوغا کر رہے ہیں؟ وہ تو اس عالم میں تھا جہاں ان اقرار و انکار کی بحثوں کی آواز بھی نہیں پہونچ سکتی ؎

درعجائبہائے طور عشق حکمتہا کم ست
عقل را با مصلحت اندیشیٔ مجنوں چہ کار

لیکن اصل بات یہ ہے کہ عالمگیرؒ کی نظروں میں تو سرمد کا سب سے بڑا جرم دارا شکوہ کی معیت تھی اور وہ کسی نہ کسی بہانے قتل کرنا چاہتا تھا۔ ایشیا میں ہمیشہ سے پالٹکس مذہب کی آڑ میں رہا ہے اور ہزاروں خونریزیاں جو پولیٹکل اسباب سے ہوئی ہیں انھیں مذہب کی چادر اڑھا کر چھپایا گیا ہے۔ جب کوئی اور بہانہ نہ ملا تو عریانی و برہنگی کو کہ خلاف رسمِ شرع ہے بنیاد قرار دیا اور مذکورہ بالا رباعی سے نتیجہ نکالا کہ معراجِ جسمانی کا منکر ہے۔ ملا قوی اس زمانے میں قاضی القضاۃ تھے عالمگیر نے انھیں سرمد کے پاس بھیجا کہ برہنگی کی وجہ دریافت کریں، ملا صاحب نے کہا کہ باوجود کمال علم و فضل برہنہ و مکشوف العورہ رہنا کس عذر پر مبنی ہے۔ سرمد نے کہا کیا کروں شیطان قوی ہے۔ اور فی البدیہ رباعی پڑھی۔

خوش بالائے کردہ چنیں پست مرا | چشمے بدو جام بردہ از دست مرا
او در بغل من ست و من در طلبش | دزدے عجبے برہنہ کردہ است مرا

ملا صاحب برہم ہوئے۔ اور برہم ہونے کی بات ہی تھی، کیونکہ اسلام کی توہین

نہیں کی گئی مگر خود ان کے وجود اسلام عبادت کی سخت اہانت ہوئی ہے یعنی ان کا اسم سامی ابلیس لعین کا وصف قرار پایا۔ بہرکیف انھوں نے عالمگیرؒ سے آکر کہا کہ کفر کا کافی مواد ہاتھ آگیا ہے اور قلمدان کھولنا چاہا کہ علمائے ظاہر کی تیغ خوں آشام اس نیام میں رہتی ہے لیکن عالمگیر کی عاقبت اندیشیوں نے صرف اس بہانے کو کافی نہ سمجھا، وہ خوب سمجھتا تھا کہ سرمد کوئی معمولی شخص نہیں ہے جس کا قتل ایک عامتہ الورود واقعہ سمجھا جائیگا، علم و فضل کے لحاظ سے کوئی اسکا ہمتا نہیں اور رجوع خلائق کا یہ حال ہے کہ سارا شاہجہان آباد اسکا معتقد اور ہوا خواہ ہے۔ اس لئے جب تک کوئی بہانہ قوی ہاتھ نہ آئے اس ارادے کو ملتوی رکھنا چاہیئے۔

اسلام کے اس تیرہ سو برس کے عرصہ میں فقہاء کا قلم ہمیشہ تیغ بے نیام رہا ہی اور ہزاروں حق پرستوں کا خون ان کے فتووں کا دامنگیر ہے۔ اسلام کی تاریخ کو کہیں سے پڑھو۔ سیکڑوں مثالیں کہتی ہیں کہ بادشاہ جب خونریزی پر آتا تھا تو دارالافتاء کا قلم اور سپہ سالار کی تیغ دونوں یکساں طور پر کام دیتے تھے۔ صوفیہ اور ارباب وطن پر منحصر نہیں، علمائے شریعت میں سے بھی جو نکتہ بیں اسرار حقیقت کے قریب ہوئے فقہاء کے ہاتھوں انہیں مصیبتیں اٹھانی پڑیں اور بالآخر سر دیکر نجات پائی، سرمد بھی اسی تیغ کا شہید ہے سه

چوں میرود نظیری خونیں کفن بحشر
خلقے فغاں کنند کہ ایں دادخواہ کیست

آخر الامر یہ قرار پایا کہ سرمد کو علماء و فضلائے عصر کے مجمع میں طلب کیا جائے اور تمام علماء کی جو رائے قائم ہو اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ مجلس منعقد ہوئی اور سرمد کو بلایا گیا۔ سب سے پہلے خود عالم گیر مخاطب ہوا اور پوچھا لوگ کہتے ہیں کہ سرمد نے دارا شکوہ کو مژدہ سلطنت دیا تھا کیا یہ سچ ہے؟

سرمد نے کہا "ہاں" اور وہ مژدہ دریں صورت نکلا کہ اسے ابدی سلطنت کی تاجپوشی نصیب ہوئی۔ عمامہ بندوں نے کہا کہ برہنگی شرع کے خلاف ہے اور اس کے لئے صاحب عقل و تمیز کا کوئی عذر مسموع نہیں۔ اس کا جواب تو سرمد پہلے ہی دے چکا تھا۔

"دزدے عجبے برہنہ کردہ است مرا"

خلیفہ ابراہیم بدخشانی اواخر عہد عالمگیری میں ایک صاحب طریقت بزرگ گزرے ہیں جو ابتدائے جوانی میں سپاہی پیشہ تھے اور فتح اللہ خاں کے ہاں کہ امرائے عالمگیری میں سے تھا نوکر ہو گئے تھے۔ اتفاقاً میر جلال الدین بدخشانی نامی ایک صاحب حال بزرگ کی ان پر نظر پڑ گئی، اور ان کو فیض پذیر دیکھ کر اپنی تربیت میں لے لیا۔ رفتہ رفتہ یہ خود بھی صاحب حال ہو گئے، علم ظاہری کی تحصیل کا گو موقع نہ ملا لیکن مذاق فطری کا یہ حال تھا کہ مثنوی معنوی کا دفتر ہفتم چار حصوں میں نظم کیا جو درد و کیفیت سے لبریز ہے۔ معزالدین جہاندار شاہ کو ان کی خدمت میں کمال اعتقاد تھا۔ اور ہندوستان و دکن میں ہزاروں اشخاص ان کے معتقد و حلقہ بگوش تھے۔

والہ داغستانی انھیں بزرگ سے روایت کرتا ہے کہ جب مجمع علماء میں سرمد کو لباس پہننے کو کہا گیا اور مسموع نہ ہوا تو بادشاہ نے علماء سے کہا کہ محض برہنگی وجہ قتل نہیں ہو سکتی۔ اس سے کہا جائے کہ کلمہ طیبہ پڑھے اور یہ اس لئے کہا کہ بادشاہ سن چکا تھا کہ سرمد کی عادات عجیبہ میں سے ایک یہ عادت بھی ہے کہ کلمہ طیبہ جب پڑھتا ہے تو لا الٰہ سے زیادہ نہیں کہتا، علماء نے سرمد سے کلمہ پڑھنے کی خواہش کی تو اپنی عادت کے بموجب صرف لا الٰہ پڑھا کہ جملہ نفی ہے اس پر علماء نے شور مچایا تو کہا "ابھی تک میں نفی ہی میں مستغرق ہوں۔ مرتبہ اثبات تک نہیں پہنچا۔ اگر الا اللہ کہونگا تو جھوٹ ہوگا۔ اور جو دل میں

نہ ہو وہ زبان پر کیسے آئے؟

علماء نے کہا ایسا کہنا کفر صریح ہے۔ اگر توبہ نہ کرے تو مستحق قتل ہے۔ یہ ظاہر پرست نہیں جانتے تھے کہ سرمد اس سے بہت اونچا ہے کہ کفر و ایمان کی بحثیں سنائی جائیں اور وہ قتل و خون کے احکام سے مرعوب ہو۔ کفر ساز تو اپنے مدرسہ و مسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر سوچتے تھے کہ اس کی کرسی کتنی اونچی ہے، اور وہ اس منارۂ عشق پر تھا جہاں کعبہ اور مندر بالمقابل نظر آتے ہیں اور جہاں کفر و ایمان کے علم ایک ساتھ لہراتے ہیں۔

کشورے ہست کہ در دے رود از کفر سخن

ہمہ جا گفت و شنو بر سر ایمان نہ رود

اور سرمد نے تو اپنی اصلی حالت بے کم و کاست بیان کر دی تھی۔ ایمان بالغیب پر جو لوگ قانع نہیں ہوتے اور اس عدم قناعت ہی کا نام تلاش حقیقت ہے وہ اپنے اقرار کو مشاہدۂ عینی سے استوار کرنا چاہتے ہیں اور شاہد حقیقت کی رونمائی نقد شہادت ہے جو ابھی سرمد کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ پس جس چیز کو دیکھا نہ تھا کیونکر کہہ دیتا کہ "ہے" اس مسلک کے جتنے رہرو ہیں سب ہی کو اس منزل سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن سرمد کا جرم یہ تھا کہ وہ جس جام کو چھپ کر پیتے ہیں سرمد نے اعلانیہ منہ سے لگایا اور درّۂ محتسب کا مستحق ٹھہرا۔

خرقہ پوشاں ہمہ گر مست گزشتند گزشت

قصہ ماست کہ در کوچہ و بازار بماند

اور نظر تعمق سے دیکھتے تو یہ اعلان ضروری تھا کیونکہ جب اس کفر کی آخری منزل شہادت تھی تو خواہ ناقہ کا رخ کسی طرف ہو نا دست کار فرما کا فرض تھا کہ اسی طرف پھیر دے۔

منصور را کہ رخصت اظہار دادہ اند
غیر از قصاص و محنت زنداں نبودہ شرط

غرض کہ جب سرمد نے توبہ نہ کی تو علماء نے بلا تامل فتوائے قتل صادر کیا اور دوسرے دن قتل گاہ میں لے گئے۔ بموجب بیان مراۃ الخیال یہ واقعہ ۱۰۷۲ھ میں ہوا کہ عالمگیرؒ کی تخت نشینی کو تین سال سے زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا ؎

مو بموئیم دوست شد ترسم کہ استیلائے عشق
یک انا الحق گوئے دیگر بر سر دار آورد

شاہ اسد اللہ نامی ایک مرد درویش و حق آگاہ راوی ہیں کہ:۔

"مجھے سرمدؔ کی خدمت میں کمال خصوصیت حاصل تھی۔ جب شورش و ہنگامہ شروع ہوا تو مجھ سے نہ رہا گیا۔ ایک دن موقع پا کر عرض کیا کہ "اگر اپنی وضع و حالت بدل دیں تو بندگان الٰہی کی منت و سماجت دیکھتے ہوئے بظاہر کوئی نقصان نہیں" یہ سن کر نظر اٹھائی اور اپنا یہ شعر پڑھ دیا

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

جب سرمدؔ کو شہادت گاہ لے چلے تو بیان کیا جاتا ہے کہ تمام شہر ٹوٹ پڑا تھا اور اسقدر ہجوم تھا کہ راہ چلنا دشوار ہو گیا تھا۔ عشق کی نیرنگیوں کو کیا کہیے جہاں کا عام پسند تماشہ خونریزی ہے جہاں قربانی سے بڑھ کر کوئی دلپسند کھیل نہیں، جب کوئی سر دادہ سر بکف بڑھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے دولہا کی سواری جا رہی ہے اور براتیوں کا ہجوم ہے کہ شانے سے شانہ چھلتا ہے ؎

بجرم عشق توام میکشند و غوغائیست
تو نیز بر سر بام آ۔ کہ خوش تماشائیست

مگر یہ عشق مجازی تھا کہ سر بام آنے کی خواہش کی گئی۔ ورنہ سرمد کو سر اٹھانے کی بھی ضرورت نہ ہوئی۔ جب جلاّد تلوار چمکاتا ہوا آگے بڑھا تو مسکرا کے نظر ملائی اور کہا:۔

فدائے تو شوم۔ بیا بیا کہ تو بہر صورت کہ می آئی۔ من ترا خوب می شناسم"

صاحب مراۃ الخیال راوی ہے کہ اس جملے کے کہنے کے بعد یہ شعر پڑھا اور مردانہ وار تلوار کے نیچے سر رکھ کر جان دیدی۔

شورے شد و از خواب عدم چشم کشودیم
دیدیم کہ باقی ست شب فتنہ غنودیم

صاحب مراۃ الخیال کو عالمگیرؒ کی خوشامد سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ سرمد کی نعش خون آلود پر اشک افشانی کرتا۔ لیکن ستم یہ ہے کہ اس سنگین دلی پر قانع نہ ہو کر چاہتا ہے کہ کسی طرح یہ خونریزی بھی عالمگیر کے دفتر مناقب و فضائل میں جگہ پائے حالانکہ اسود فتر ہیں تو پہلے ہی سے ہر صفحہ رنگین ہے۔ اس کو بھی عشق ہی کی شیوہ گری سمجھئے کہ یہاں کی قربانیوں سے جن کے ہاتھ خون آلود ہوتے ہیں وہ مجرم و خونی ہونیکی جگہ تحسین و ثواب کا صلہ ملتے ہیں۔ گویا میدان عشق بھی قربانگاہ منا ہے کہ جسقدر بھی خون بہائیے عین ثواب ہے۔

یہ عجیب رسم دیکھی کہ بروز عید قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سرمد کی جہاں قبر سمجھی جاتی ہے یہ اس کا مدفن نہیں صرف مشہد ہے۔ لیکن والا داغستانی نے تصریح کر دی ہے کہ

در جنب مسجد جامع گردن اورا زدند و در ہماں جا دفن کردند"

یہ مقام موجودہ مقام مزار کے سوا اور کونسا ہو سکتا ہے؟ پھر لکھتے ہیں کہ

"راقم حروف بہ زیارت مزار وے مکرر مشرف شدہ ام در چہار فصل سبزہ از تربتش کم نمی شود۔ والحق فیض عجیبے و زیارت آں منصور ثانی ہست"

والا داغستانی عہد محمد شاہی میں تھا اور اس کے تذکرے کا سال تصنیف ۱۱۶۱ھ ہے لیکن آج بھی مشہد سرمدؔ زیارتگاہ عوام و خواص ہے اور ہمیشہ فاتحہ کے ہاتھ اس کے آگے رو بہ آسماں رہتے ہیں۔

بہ سر تربت حافظ چوں گزری ہمت خواہ
کہ زیارت گہہ رندان جہاں خواہد بود

خلیفہ ابراہیم جن کے حالات اوپر گزر چکے ہیں۔ راوی ہیں کہ سرمدؔ نے زندگی میں کلمہ طیبہ "لَآ اِلٰہ" سے زیادہ نہیں پڑھا۔ لیکن جب شہادت پائی تو لوگوں نے سنا کہ سر گشتہ سے تین بار "اِلَّا اللّٰہ" کی صدا بلند ہوئی۔ اس کے علاوہ والہ داغستانی لکھتے ہیں کہ:-

"ایک ثقہ جماعت سے سنا گیا ہے کہ سرمدؔ کا سر مقتول کلمہ طیبہ پڑھتا رہا اور اتنا ہی نہیں بلکہ کچھ دیر مصروف حمد الٰہی بھی رہا۔"

موجودہ زمانے میں ایسی روایتوں پر لوگ بمشکل یقین لائیں گے اور سوانح نگار کا فرض ہے کہ خوش اعتقادی کی روایات اور تاریخ کو الگ الگ رکھے، لیکن ہمیں تو یہ بیان پڑھ کر کچھ بھی تعجب نہ ہوا۔ کیونکہ اگر خوش اعتقادی کے کان نہیں ہیں تو کیا حقیقت بینی کی آنکھوں سے بھی محروم ہو جانا چاہیے؟ ہم نے بہار میں شگفتہ و شاداب پھولوں اور خزاں میں افسردہ اور خشک شاخوں کو باتیں کرتے دیکھا ہے۔ پھر اگر ایک شہید عشق کے سر مقتول کے لب ہلتے نظر آئیں تو کیوں تعجب ہو؟ ممکن ہے کہ سرمدؔ کے بیجان سر سے آواز نکلی مگر ارباب بصیرت نے اسکی زبان حال کو تو ضرور متکلم دیکھا ہوگا اور

ڈھائی سو برس سے زیادہ گزر گئے ہمارے کانوں میں تو اب تک مشہد سرمد سے صدا آرہی ہے کہ ؎

کس چہ داند قدر مُردن ہائے عشق
مِنّت ایں مرگ بر جان من است

عالمگیر ۱۰۶۹ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور تین سال کے بعد سرمد کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد ایک قرن سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ ؎

خونے کہ عشق ریزد ہرگز ہدر نباشد

یہ سرمد کے خون ہی کی نیرنگیاں تھیں کہ اس تمام مدت میں عالمگیر کو کبھی راحت و اطمینان کے دن نصیب نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ پیغام اجل بھی آیا تو عالم غربت و پریشانی میں۔ مگر سوانح نویس کے قلم سے ایسے جملے نہیں نکل سکتے۔ ہمارے لئے تو یہی بہتر ہے کہ ہو سکے تو عالمگیر کو بھی اس معاملہ میں معذور سمجھیں۔ تاریخ قیاس و ظنون اور شخصی آراء کے مجموعہ کا نام ہے۔ آج چند میلوں کے فاصلہ پر ایک حادثہ گزرتا ہے تو اخباروں کے دو نامہ نگار متفق البیان نہیں ہوتے۔ کس کو معلوم ہے کہ اس وقت کی اصلی حالت کیا تھی اور عالمگیر کے گرد و پیش کن حالات و اسباب کا ہجوم تھا؟ پھر یہ بھی ہے کہ خون رفتگان عشق جب اپنے قاتلوں سے گلہ مند جفا نہیں تو ہمیں کیا حق ہے کہ ان کی شکایت سے قلم آلودہ ہوں۔ جب سرمد نے جلاد سے کہا کہ "بہر صورتے کہ می آئی من ترا خوب می شناسم" تو اسے عالمگیر اور عالمگیری علماء سے کیا شکایت ہوگی؟ بات یہ ہے کہ دیار محبت میں انتقام و دعوے کی شنوائی نہیں اور عشق کے مذہب میں کینہ و عداوت سے بڑھ کر کوئی شئے حرام نہیں۔ یہاں سب سے بڑی عبادت

یہ ہے کہ قاتل تیغ لے کر آئے تو سر جھکا دیجیے۔ اور ہو سکے تو اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیجیے۔

شد ست سینہ ظہوری پر از محبت یار
برائے کینہ اغیار در دلم جا نیست

سرمدؔ کے کلام کا ایک صحیح اور قلمی نسخہ میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔ مگر اس وقت پیش نظر نہیں۔ چند سطروں کا ارادہ تھا مگر کئی صفحے ہو گئے۔ اور عشق کی حکایت کب ختم ہونے والی ہے۔ اس لئے چاہتا کہ روح سرمدؔ پر دست فاتحہ اٹھا کر خاموش ہو جاؤں۔ آئندہ کبھی موقع ملا تو سرمدؔ کا کلام پیش کروں گا۔ افسوس ہے کہ یہ داستان مختصر نہ ہو سکی۔ مگر شہیدان محبت کی یاد میں جتنی دیر افسردہ رہ سکے بہتر ہے۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم
چنانکہ حرف عصا گفت موسےٰ اندر طور

کتبہ:۔ افضال احمدؒ شیرکوٹی۔ مورخہ ۶۱۲/ ۱۹۶۲ء

دینی، مذہبی اور تبلیغی

کتابیں

کتب	نئے پیسے	روپے	کتب	نئے پیسے	روپے
حکایاتِ صحابہ	۵۰	۱	کلیاتِ امدادیہ	۵۰	۲
فضائلِ ذکر	۶۰	۱	اصلاح الرسوم مجلد	۷۵	۱
فضائلِ نماز	۶۵	۰	اشرف المواعظ کامل	۷۵	۱
فضائلِ قرآن	۶۰	۰	اعمال قرآنی کلاں	۶۲	۰
فضائلِ رمضان	۵۰	-	اعمال قرآنی مجلد	۲۵	۱
فضائلِ تبلیغ	۳۰	۰	حیات المسلمین مجلد	۷۵	۱
فضائلِ حج	۵۰	۲	تعلیم الدین مجلد	۷۵	۱
فضائل ملاقات مکمل	۰۰	۵	صفائی معاملات	۳۷	۰
الفاروق	۰۰	۶	جزاء الاعمال	۳۷	-
مسنون دعائیں	۵۰	۰	جمال القرآن	۲۵	۰
اسلام کیا ہے؟	۰۰	۲	حفظ الایمان	۳۷	۰
مرنیکے بعد کیا ہوگا؟	۷۵	۲	اغلاط العوام	۱۹	۰
تعلیم الاسلام چہار حصہ۔	۶۰	۱	فروع الایمان	۶۲	۰
جنت کی کنجی۔	۲۵	۳	آداب المعاشرت	۲۵	۰
دوزخ کا کھٹکا۔	۲۵	۲	آداب المساجد	۳۷	۰

کتب	پیسے	روپے
اشراف الجواب کامل	۵۰	۴
بہشتی زیور مکمل مدلل جلد چرمی	۵۰	۱۲
بہشتی زیور کامل مجلد	۰۰	۸
تقدیر کیا ہے	۵۰	۲
بدعت کیا ہے۔	۰۰	۳
محاسنِ اسلام	۵۰	۱
مصالح العقلیہ	۵۰	۴
نشر الطیب فی		
ذکر النبی الحبیب کلاں	۰۰	۳
نشر الطیب خورد	۸۷	۱
تفسیر بیان القرآن کامل	۸۷	۶۰
حقوق الاسلام	۱۲	-
حق السماع	۲۵	۰
الاکسیر فی اثبات التقدیر	۲۵	۲
طریقہ مولود	۱۹	۰
مناجات مقبول مجلد	۰۰	۲
زاد السعید	۲۵	-
احکام التجلی	۳۱	۰
سائنس اور اسلام	۰۰	۴
حقوق البیت	۳۷	۰

کتب	پیسے	روپے
آداب القرآن	۲۵	۰
تبلیغ دین مجلد	۵۰	۳
نقش حیات ہر دو جلد	۵۰	۸
حیات شیخ الاسلام	۵۰	۳
ارشادات	۵۰	۳
سلال طیبہ	۳۷	۰
الشہاب الثاقب	۷۵	۱
خصائل نبوی مجلد	۰۰	۸
تقویۃ الایمان کلاں مجلد	۰۰	۶
تقویۃ الایمان خورد مجلد	۰۰	۲
صراط مستقیم	۵۰	۲
خطبۂ شہید	۳۷	۰
خطبات الاحکام	۰۰	۲
شہید اعظم	۵۰	۱
فتاوی دار العلوم	۰۰	۲۱
فتاوی امدادیہ	۰۰	۱۲
تاریخ الاسلام ہر سہ حصہ	۳۷	۲
داستان یوسف	۵۰	۴
معراجِ رسول	۷۵	۱
ملت ابراہیم	۷۵	۱

کتب	پیسے	روپے	کتب	پیسے	روپے
جلوہ طور	۷۵	۱	شاہنامہ اسلام سویم	۵۰	۱
فسانہ آدم	۷۵	۱	شاہنامہ اسلام چہارم	۵۰	۱
معلم الحجاج	۷۵	۳	چھ باتیں	۴۰	۰
ارکان اسلام	۵۰	۱	یسرنا قرآن کلاں	۳۷	۰
رفیق حج	۲۵	۱	" خورد	۱۹	۰
آپ حج کیسے کریں ؟	۵۰	۲	سولہ سورہ خورد	۲۵	۱
رحمت عالم	۰۰	۲	قرآن مجید مترجم عکسی	۰۰	۱۳
سیرت خاتم الانبیاء	۲۵	۱	قرآن مجید ہندی	۰۰	۸
دین و شریعت	۰۰	۳	بادۂ عرفان	۰۰	۳
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے ؟	۰۰	۴	تاریخ اسلام امیر علی	۰۰	۵
تذکرہ مجدد الف ثانی	۰۰	۴	تاریخ اسلام کامل	۵۰	۸
سیرت شہید کربلا	۰۰	۴	فلاح دین دنیا	۵۰	۷
آمنہ کالال	۵۰	۱	پارہ سورہ شریف	۰۰	۲
سیدہ کالال	۵۰	۲	فیروز اللغات مکمل	۷۵	۶
میری نماز	۰۰	۱	ہزار مسئلہ	۵۰	۰
مسلمان خاوند	۲۵	۱	ہدایت السلام	۸۱	۰
مسلمان بیوی	۳۷	۱	خطبہ علمی	۵۰	۰
تاریخ اسلام کامل عاشقی	۰۰	۶	خطب شہید	۳۷	۰
شاہنامہ اسلام اول	۵۰	۱	نقش سلیمانی	۶۰	۰
شاہنامہ اسلام دویم	۵۰	۱	بیاض محمدی	۵۰	۰

کتب	نئے پیسے	روپے	کتب	نئے پیسے	روپے
حرز سلیمانی	۵۰	۳	کتاب الصوم		
کنز الحسنتین	۵۰	۳	کتاب الایمان	۵۰	۱
مسلمان عورت	۰۰	۴	سیرت صحابہ	۲۵	۴
(مصنفہ مولانا آزاد)	۰۰	۰	حیات الصحابہ تین حصے ہر ایک	۷۵	۲
اسلامی مسائل	۲۵	۲	ہند و پاک کے اولیا	۵۰	۳
ام الکتاب	۷۵	۴	کرامات اولیا	۵۰	۲
تبرکات آزاد	۵۰	۶	کرامات صحابہ	۵۰	۱
اسلامی اخلاق	۰۰	۱	تعلیمات اسلام	۵۰	۳
اسلامی تاریخی کہانیاں۔	۰۰	۲	پیارے رسول کی پیاری باتیں	۷۵	۱
شرعی نماز	۰۰	۱	حضرت خواجہ غریب نواز	۰۰	۳
اچھا خاوند	۲۵	۱	خواجہ قطب الدین	۵۰	۳
اچھی بیوی	۲۵	۱	بابا فرید گنج شکر	۵۰	۳
درس قرآن	۰۰	۲	مخدوم صابری کلیری	۵۰	۲
قرآنی دعائیں	۰۰	۱	تاریخ الانبیاء	۰۰	۲
پیغمبری دعائیں۔	۰۰	۱	تاریخ الاولیا	۰۰	۲
سیرت عمرؓ	۰۰	۲	معجزات خیر الانام	۰۰	۳
" ابوبکر صدیقؓ	۰۰	۱	مسلم شریف اردو	۰۰	۱۰
" عثمانؓ	۰۰	۱	بخاری شریف اردو۔	۰۰	۸
" علیؓ	۰۰	۱	مشکوٰۃ شریف اردو	۰۰	۱۸
کتاب الصلوٰۃ مجلد	۵۰	۲	ترمذی شریف اردو	۰۰	۱۵